رسائل و مسائل

نماز اور خطبۂ جمعہ کی زبان

(۲)

۲۔ خطبۂ جمعہ کی زبان اب ہم سوال کے دوسرے حصہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جو خطبۂ جمعہ کی زبان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مسئلہ میں یہ ایک عام غلطی ہے کہ خطبہ کی زبان کے سوال کو نماز کی زبان کے سوال سے مربوط کر دیا جاتا ہے اور اس سے بڑا خلط مبحث واقع ہوتا ہے۔ لہٰذا پہلے ہم اسی امر کی توضیح کریں گے کہ نماز اور خطبہ کی حیثیتوں میں کیا فرق ہے۔

خطبہ جزو صلاۃ نہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خطبہ نماز جمعہ کا جزء ہے۔ اس کی دلیل وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ظہر کی چار رکعتوں میں سے دو رکعتیں خطبہ ہی کے لیے کم کی گئی ہیں، جیسا کہ احادیث میں حضرت عمر اور حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ انما قصرت الجمعۃ لاجل الخطبۃ اس بنا پر وہ کہتے ہیں کہ خطبہ جو بحکم نماز کی دو رکعتوں کا قائم مقام ہے لہٰذا اس کی حیثیت بھی وہی ہے جو نماز کی ہے۔ اور جب نماز غیر عربی میں پڑھنا درست نہیں تو خطبہ بھی غیر عربی میں پڑھنا درست نہیں۔

لیکن یہ محض ایک سطحی رائے ہے۔ دونوں کے احکام کی تفصیلات پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ جو امور نماز کے لیے شرط ہیں وہ خطبہ کے لیے شرط نہیں ہیں۔ نماز کے لیے طہارت شرط ہے، مگر خطبہ کے لیے شرط نہیں، حتیٰ کہ اگر سہواً حالت جنابت میں بھی خطبہ پڑھ دیا ہو تو اعادہ کی ضرورت نہیں۔ نماز کے لیے قبلہ رخ ہونا ضروری ہے۔ مگر خطبۂ جمعہ کے لیے نہ صرف یہ کہ استقبال قبلہ ضروری نہیں، بلکہ قبلہ کی طرف پشت کر کے مقتدیوں کی طرف رخ کرنے کا حکم ہے۔ نماز میں گفتگو کرنے سے فساد واقع ہو جاتا ہے۔ مگر خطبہ میں کلام

کیا جا سکتا ہے اور خود نبی اکرم اور صحابہ کرام سے یہ فعل ثابت ہے جیسا کہ آگے چل کر ہم بیان کریں گے۔ نماز کے لیے وقت بھی مشروط ہے لیکن خطبہ اگر وقت سے پہلے شروع کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ نماز جمعہ میں حنفیہ کے نزدیک کم از کم تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے لیکن خطبہ میں اگر امام کے سوا صرف ایک آدمی ہو تب بھی کافی ہے۔ نماز جمعہ اگر فاسد ہو جائے تو اس کا اعادہ کیا جائے گا لیکن خطبہ کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ سب امور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ خطبہ نماز جمعہ کا جزو نہیں ہے چنانچہ علامہ سرخسی لکھتے ہیں۔

قال بعض مشائخنا الخطبة تقوم مقام رکعتين ولهذا لا تجوز الا بعد دخول الوقت والاصح انها لا تقوم مقام شطر الصلوٰة۔ (المبسوط ج ۲۔ کتاب الجمعہ)

ہمارے بعض مشائخ کہتے ہیں کہ خطبہ چونکہ دو رکعتوں کا قائم مقام ہے اس لیے ظہر کا وقت شروع ہونے سے پہلے خطبہ پڑھنا جائز نہیں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ خطبہ کی حیثیت نماز کے ایک حصہ کی نہیں ہے۔

اور شرح العنایہ علی الھدایہ میں ہے:۔

انها ليست برکن لان رکن الشيء ما يقوم به ذالك الشيء وصلاة الجمعة لا تقوم بالخطبة وانما تقوم بارکانها فکانت شرطاً۔

خطبہ رکن نماز نہیں ہے کیونکہ کسی چیز کا رکن تو وہ ہوتا ہے جس سے وہ چیز قائم ہوتی ہو اور نماز جمعہ خطبہ سے قائم نہیں ہوتی بلکہ اپنے ارکان سے ہوتی ہے لہٰذا خطبہ رکن نہیں بلکہ شرط ہے۔

نماز اور خطبہ کے مقاصد کا فرق اس میں شک نہیں کہ خطبہ بھی نماز کی طرح ایک عبادت ہے لیکن دونوں کے مقاصد مختلف ہیں۔ نماز سے جو کچھ مقصود ہے وہ بغیر اس کے بھی حاصل ہو سکتا ہے کہ انسان اُن عبارات کو سمجھے جن کو وہ نماز میں پڑھتا ہے، اس لیے کہ اُس کا خدا کی فرض کی ہوئی عبادت کو فرض سمجھنا اور نماز کا وقت آنے پر ادائے فرض کے لیے اٹھنا، اور اس کا اہتمام کرنا، پھر پوری شرائط اور تمام ارکان

کے ساتھ نماز کو اس طرح ادا کرنا کہ گویا اسے اس امر کا شعور ہے کہ خدا اس کی خفی سے خفی باتوں کو سن رہا ہے۔ اور یہ کہ اگر وہ نماز میں کوئی چیز بھی کم کرے گا تو خدا کو اس کا علم ہو جائے گا، پھر اس کا یہ سمجھنا کہ یہ رکوع وسجود اور قیام وقعود جو کچھ بھی میں کر رہا ہوں صرف خدا کے لیے ہے، اور خدا کے سوا میں کسی کا عبادت گذار نہیں ہوں، یہ سب امور اس مقصد کی تحصیل کے لیے بالکل کافی ہیں جس کے لیے نماز فرض کی گئی ہے۔ لیکن خطبہ جس غرض کے لیے مقرر کیا گیا ہے وہ بغیر اس کے حاصل نہیں ہو سکتی کہ سامعین اس کو سمجھیں، اس لیے کہ خطبہ کا مقصد محض خدا کی یاد اور ذات حق کی طرف رجوع اور خشیت اور انابت ہی نہیں ہے، بلکہ احکام دین کی تبلیغ وتعلیم اور وعظ وتذکیر بھی ہے۔ اور یہ مقصد حاصل ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ لوگ ان احکام اور مواعظ کو سمجھیں نہیں جو خطبہ میں بیان کئے جاتے ہیں۔

خطبہ کا مقصد بعض لوگ اس امر سے انکار کرتے ہیں کہ خطبہ کا مقصد تبلیغ احکام اور وعظ وتذکیر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے خطبہ کو ذکر اللہ سے تعبیر کیا ہے۔ (فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ) لہٰذا خطبہ بھی ویسی ہی ایک عبادت ہے جیسی کہ نماز ہے اور اس کے لیے بھی یہ ضروری نہیں کہ لوگ اس کو سمجھیں۔ اس کی تائید میں وہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول پیش کرتے ہیں کہ خطبہ کی شرط پوری کرنے کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کافی ہے، اور عرف عام میں جس چیز کو خطبہ سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ نماز جمعہ کے لیے شرط نہیں ہے۔ نیز وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ جب آپ خلیفہ ہوئے اور خطبہ دینے کے لیے اٹھے تو آپ پر مجمع کا رعب طاری ہو گیا۔ اور آپ صرف الحمد للہ کہہ کر بیٹھ گئے اور صحابۂ کرام کی جماعت نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا۔

لیکن یہ استدلال متعدد وجوہ سے غلط ہے۔

اولاً یہ یقینی نہیں کہ آیۂ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ میں ذکر اللہ سے مراد خطبۂ جمعہ ہے ذکر سے مراد نماز بھی ہو سکتی ہے، بلکہ قرآن میں اکثر اس لفظ سے نماز ہی مراد لی گئی ہے مفسرین اور اہل فقہ

میں یہ امر مختلف فیہ ہے کہ آیا ذکر سے مراد صرف خطبہ ہے یا صرف نماز یا نماز اور خطبہ دونوں[1]۔ مگر آیت کے سیاق پر غور کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ذکر کو نماز کے معنی میں لینا زیادہ درست ہے، کیونکہ پہلے اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فرمایا پھر اس کی جزا یہ بیان کی کہ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل میں ذکر سے مراد نماز ہی ہے، اور خطبہ محض ضمناً ذکر میں شامل ہو جاتا ہے۔ ورنہ اگر ذکر سے مراد صرف خطبہ ہوتا تو اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَالصَّلٰوۃِ فرمایا جاتا۔

ثانیاً اگر ذکر اللہ کو نماز کے معنی میں نہ لیا جائے بلکہ یادِ خدا کے معنی میں لیا جائے تو یہ کس دلیل سے ثابت ہوا کہ خدا کی یاد صرف عربی زبان ہی میں ہونی چاہیے؟ اللہ کے ذکر کو عربی زبان تک محدود کرنا تو عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔ قرآن اور حدیث میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ خدا کو یاد کرنا ہو تو صرف عربی میں کرو۔ چنانچہ اسی بنا پر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ الذکر المفید للتعظیم یحصل بغداي بنمرك مست كما يحصل بقوله الله اکبر۔ اور امام محمد ان کی تائید میں کہتے ہیں۔ الذکر یحصل بکل لسانٍ۔

ثالثاً خطبہ کی شرط پوری کرنے کے لیے اگر حنفیہ نے محض حمد و ثنا کو کافی سمجھا ہے تو اس کے معنی یہ کب ہیں کہ خطبہ کا جو مقصد ہے وہ بس حمد و ثنا ہی سے حاصل ہو جاتا ہے اور اس کے سوا دوسری چیزیں محض زوائد ہیں جن کی کوئی اہمیت نہیں[2]۔ حنفیہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ نماز جمعہ کے لیے جماعت کی شرط فقط

---

[1] علامہ ابن ہمام کہتے ہیں: فاسعوا الی ذکر اللہ۔ فالظاہر ان المراد بالذکر الصلوٰۃ ویجوز کون المراد بہ الخطبۃ (فتح القدیر)۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: قیل المراد بذکر اللہ الخطبۃ والصلوٰۃ ویستظہر ان المراد بہ الصلوٰۃ وجوز کون المراد بہ الخطبۃ۔ سعید بن المسیب کے نزدیک ذکر سے مراد موعظۃ الامام ہے (احکام القرآن الجصاص)۔ علامہ ابوبکر جصاص کی رائے یہ ہے کہ ذکر سے مراد صرف خطبہ ہے۔ ویدل علی ان المراد بالذکر ہہنا ہو الخطبۃ لان الخطبۃ ہی التی تلی النداء وقد امر بالسعی الیہ فدل علی ان المراد الخطبۃ۔

[2] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعے سے جو استدلال کیا جاتا ہے وہ درست نہیں۔ اول تو اس واقعہ میں خود اس کی تصریح ہے کہ حضرت عثمان نے قصداً ایسا نہیں کیا تھا، بلکہ مجمع سے مرعوب ہو جانے کی وجہ سے آپ کی قوت گویائی جواب

بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۶۷

تین آدمیوں سے پوری ہوجاتی ہے۔ کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ جمعہ کی اقامت سے جو مقصد ہے وہ بس اسی مختصر سی جماعت سے حاصل ہوجاتا ہے؟ اور جماعت کثیرہ کا فراہم ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

رابعاً خود اکابر حنفیہ ہی نے یہ تصریح کی ہے کہ خطبہ سے مقصود ذکر اور موعظت ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے ولو خطب قاعداً او علیٰ غیر طہارۃ جاز لحصول المقصود اور علامہ ابن ہمام مقصود کی شرح کرتے ہیں وھو الذکر والموعظۃ۔ حنفیہ ہی پر کیا موقوف ہے متقدمین سب کے سب خطبہ کا مقصد یہی سمجھتے تھے اور اسی بنا پر ان کی زبان میں اکثر خطبہ کے لیے "موعظۃ الامام" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ علامہ ابن حجر فتح الباری میں ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ومن حکمۃ استقبالھم للامام التھیؤ لسماع کلامہ وسلوک الادب معہ فی استماع کلامہ فاذا استقبلہ بوجہہ واقبل علیہ بجسدہ وبقلبہ وحضور ذھنہ کان ادعیٰ لتفھیم موعظتہ وموافقتہ فیما شرع لہ القیام لاجلہ۔ (ج ۲ ص ۲۷۳)

حاضرین کو امام کی طرف رخ کرکے بیٹھنے کی جو ہدایت کی گئی اس کی حکمت یہ ہے کہ وہ اس کے کلام کو سننے کے لیے تیار ہوں اور کلام کی سماعت میں اس کے ساتھ ادب کو ملحوظ رکھیں جب سننے والا اپنا چہرہ اس کی طرف رکھے گا اور اپنے جسم و قلب کے ساتھ اس کی جانب متوجہ ہوگا اور حضور ذہن کے ساتھ سنے گا تو امام کی موعظت اچھی طرح اس کی سمجھ میں آئے گی

اور یہ اس مقصد کے لیے مددگار ہوگا جس کے لیے امام کو کھڑے ہوکر خطبہ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

خامساً یہ امر غور طلب ہے کہ اگر خطبہ کا طریقہ جاری کرنے سے شارع کا مقصد محض اللہ کا ذکر ہی کرنا ہوتا تو کیا اس کے لیے نماز کافی نہ تھی، حالانکہ وہ اس مقصد کو بدرجۂ اتم پورا کرتی ہے۔ آخر کیا وجہ ہے

لہ تکملہ حاشیہ ص ۶۶ دے گئی تھی اس لیے آپ نے مجبوراً خطبہ مختصر کر دیا۔ دوسرے یہ بھی غلط ہے کہ آنجناب نے صرف حمد و ثنا پر اکتفا کی تھی۔ دراصل واقعہ یہ ہے کہ جب آپ نے دیکھا کہ قوت گویائی جواب دے رہی ہے تو صرف اتنا کہہ کر بیٹھ گئے کہ ان ابا بکر و عمر کانا یعدان لھذا المقام مقالا وانتم الی امام فعال احوج منکم الی امام قوال وستاتیکم الخطب بعد و استغفر اللہ لی ولکم۔

کہ نماز جیسی کامل و اکمل عبادت کو مختصر کر کے اس کے وقت کا ایک حصہ خطبہ کو دیا گیا اور اس کو جمعہ کی شرائط میں داخل کیا گیا؟

سادساً نماز جمعہ کے لیے خطبہ کا اشتراط جس چیز سے فقہاء نے نکالا ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا متواتر عمل ہے چونکہ آنحضرت اور آپ کے خلفاء اور صحابۂ کرام نے کبھی جمعہ بغیر خطبہ کے نہیں پڑھا اس لیے یہ حکم مستنبط کیا گیا کہ جمعہ کے لیے خطبہ شرط ہے۔ بالکل اسی طرح آپ کے اور صحابۂ کرام کے متواتر عمل سے ہم کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ محض حمد و ثنا ہی پر مشتمل نہ ہوتا تھا، بلکہ اس میں شریعت کے احکام بیان ہوتے تھے، اخلاق و اعمال کی اصلاح کے لیے نصیحتیں ہوتی تھیں، قومی اور شخصی معاملات پر توجہ کی جاتی تھی، حتیٰ کہ عین خطبہ ہی کی حالت میں امام کسی خاص شخص کی کوئی غلطی دیکھتا تو اس کی اصلاح کرتا، کسی مصیبت زدہ کو دیکھتا تو اس کی مدد کے لیے لوگوں کو توجہ دلاتا، عوام میں سے کسی کو کوئی شکایت ہوتی تو وہ امام کے سامنے اس کو پیش کرتا اور امام اس کی طرف متوجہ ہوتا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے کوئی جمعہ بغیر خطبہ کے نہیں پڑھا اسی طرح آپ نے اور آپ کے صحابہ نے کوئی خطبہ ایسا بھی نہیں پڑھا جو مذکورۂ بالا خصوصیات سے عاری ہو۔

چند خطب ماثورہ | اس مطلب کی توضیح کے لیے ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند خطبات یہاں نقل کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ شارع کی نگاہ میں خطبۂ جمعہ کی دراصل کیا حیثیت تھی۔

عن عبید بن السباق مرسلاً قال رسول اللہ صلعم فی جمعۃ من الجمع یا معشر المسلمین ان ھذا یوم جعلہ اللہ عیداً فاغتسلوا ومن کان عندہ طیب فلا یضرہ ان یمس منہ وعلیکم بالسواک۔ (موطا۔ ابن ماجہ)	عبید بن السباق سے مرسلاً مروی ہے کہ حضور نے ایک مرتبہ جمعہ کے خطبہ میں فرمایا اے مسلمانو! اس دن کو اللہ نے عید مقرر کیا ہے۔ لہٰذا تم آج کے دن غسل کیا کرو اور جس کے پاس خوشبو موجود ہو وہ اگر استعمال کرے تو کیا نقصان ہے۔ اور دیکھو مسواک ضرور کرو۔

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھے تمہارے حق میں سب سے زیادہ جس چیز کا خوف ہے وہ زمین کی برکات ہیں۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ زمین کی برکات سے کیا مراد ہے؟ حضور نے جواب دیا دنیا کی زینت و شوکت۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا برائی سے بھی بھلائی آتی ہے؟ حضور سن کر خاموش ہو گئے یہاں تک کہ لوگوں نے گمان کیا کہ کوئی چیز آپ پر اتر رہی ہے۔ پھر آپ نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھا اور فرمایا وہ سائل کہاں ہے۔ اس شخص نے کہا میں ہوں۔ آپ نے فرمایا بھلائی صرف بھلائی سے آتی ہے۔ اس دنیا کا مال بہت خوش نما اور شیریں ہے فصل بہار میں جب یہ خوب پھلتی ہے تو اسے پیٹ بھر کر کھانے والا جانور بد ہضمی سے مرجاتا ہے یا مرنے کے قریب جا لگتا ہے۔ البتہ وہ جانور بچ جاتا ہے جس نے دیکھا کہ کھاتے کھاتے کوکھیں پھیل گئی ہیں تو کھانا چھوڑ دیا، دھوپ میں چلا پھرا، کچھ جگالی کی کچھ پیشاب اور پاخانہ کی راہ سے نکالا اور جب پیٹ خالی ہو گیا تب دوبارہ کھانے کی طرف متوجہ ہوا اس مال کو جو شخص حق کی راہ سے لیگا اور حق کی راہ میں نکال دے گا اس کے لیے تو یہ بہترین مددگار ہے۔ اور جو حق کے بغیر لے گا اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کھاتا چلا جائے اور شکم سیر نہ ہو۔ (بخاری کتاب الرقاق و کتاب الزکوٰۃ)۔

عمرو بن تغلب کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور کے پاس کچھ مال آیا تھا جس کو آپ نے بعض لوگوں میں بانٹ دیا۔ اور بعض کو چھوڑ دیا۔ بعد میں آپ کو معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو چھوڑ دیا گیا ہے انھیں رنج ہے۔ اس کے متعلق آپ نے خطبہ میں فرمایا کہ میں ایک شخص کو دیتا ہوں اور دوسرے کو نہیں دیتا جس کو میں نہیں دیتا وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جس کو میں دیتا ہوں۔ ایک جماعت کو دیتا ہوں جبکہ ان کے دلوں میں بے تابی اور بے چینی دیکھتا ہوں۔ اور ایک جماعت کو اس بے نیازی اور نیکی کے حوالے کر دیتا ہوں جو اللہ نے ان کے دلوں میں پیدا کی ہے۔ (بخاری)

مشہور حدیث ہے کہ ایک شخص نماز جمعہ میں حاضر ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے

آپ نے پکار کر اس سے پوچھا اے شخص! کیا تو نماز پڑھ چکا ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا تو اٹھ اور نماز پڑھ۔ دراصل یہ شخص پھٹے حالوں تھا۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اس کی بد حالی کو دیکھ لیں۔ جب وہ نماز پڑھ چکا تو آپ نے لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دلائی۔ اس حدیث کے اطراف قریب قریب تمام صحاح اور سنن اور مسانید میں آئے ہیں۔ امام احمد نے جو حدیث نقل کی ہے اس میں خود حضور کے یہ الفاظ منقول ہیں کہ "یہ شخص جب مسجد میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ بہت شکستہ حال ہے اس لیے میں نے اسے حکم دیا کہ دو رکعت نماز پڑھے میں چاہتا تھا کہ کوئی شخص اس کی حالت دیکھ لے اور اس کو کچھ صدقہ دیدے"۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور خطبہ دے رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک شخص لوگوں کے اوپر سے پھاندتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ آپ نے پکار کر فرمایا بیٹھ جاؤ، تم نے لوگوں کو تکلیف دی (ابوداود، نسائی)

حضرت انس کی روایت ہے کہ ایک روز حضور خطبہ دے رہے تھے اور قحط سالی کا زمانہ تھا ایک شخص نے فریاد کی کہ یارسول اللہ جانور مر گئے اور بال بچے فاقہ کر رہے ہیں۔ اللہ سے دعا فرمایئے کہ بارش ہو جائے۔ آپ نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی خدا کے فضل سے بارش شروع ہو گئی اور دوسرے جمعہ تک لگاتار جاری رہی۔ پھر دوسرے جمعہ کو آپ خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو وہی شخص پھر اٹھا اور بولا کہ یارسول اللہ مکان گر گئے اور مال و اسباب تباہ ہو رہے ہیں۔ خدا سے دعا فرمایئے۔ آپ نے پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر خطبہ دے رہے تھے۔ اتنے میں حضرت عثمان تشریف لائے حضرت عمر نے فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ندا جمعہ کے بعد نماز کے لیے آنے میں دیر کرتے ہیں۔ پھر حضرت عثمان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا یہ کونسا وقت ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں کام میں لگا ہوا تھا اذان کی آواز سنی تو گھر جانے کے بجائے وضو کر کے سیدھا یہاں چلا آرہا ہوں۔ حضرت عمر نے یہ سن کر

فرمایا خوب! تاخیر تو تھی ہی۔ اب معلوم ہوا کہ آپ صرف وضو ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روز غسل کرنے کا حکم دیا ہے۔ (بخاری۔ موطا، مسلم)

یہ اُن کثیر التعداد خطبوں میں سے چند ہیں جو معتبر روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے منقول ہیں اور ان کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کا خطبہ جن کے عمل متواتر کی بدولت مشروع سمجھا گیا ہے ان کے ہاں خطبہ کے معنی محض ذکر اللہ کے نہ تھے بلکہ وہ اس سے تبلیغ، تعلیم، اصلاح، ہدایت اور بہت سے قومی و شخصی معاملات کی انجام دہی کا کام لیتے تھے۔ دراصل یہ چیز اس لیے مشروع نہیں کی گئی تھی کہ لوگ ہفتہ میں ایک بار نماز سے پہلے کسی غور پڑی قسم کی ایک چیز سن لیں جیسی مسیحی گرجاؤں میں وعظ (سرمن) کے نام سے سنائی جاتی ہے۔ بلکہ اس کو مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا ایک متحرک اور کارفرما پرزہ بنایا گیا تھا، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ لازمی طور پر تمام مسلمانوں کو جمع کر کے اللہ کے احکام سنائے جائیں، دین کی تعلیمات ان کے ذہن نشین کی جائیں۔ ان کی جماعت میں یا ان کے افراد میں جو کچھ خرابیاں رونما ہوں ان کی اصلاح کی جائے، اور قومی فلاح و بہبود کے کاموں کی طرف انہیں توجہ دلائی جائے۔

نماز اور خطبہ کا ایک اور فرق | نماز اور خطبۂ جمعہ کے درمیان ایک فرق اور بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ نماز میں جتنی چیزیں پڑھی جاتی ہیں وہ سب لفظاً لفظاً معین کر دی گئی ہیں۔ جو شخص عربی نہ جانتا ہو وہ تھوڑا سا وقت صرف کر کے بآسانی ان کا ترجمہ یاد کر سکتا ہے، یا ان کے مفہومات ذہن نشین کر سکتا ہے پس نماز کے عربی زبان میں ہونے سے درحقیقت اس امر کا بھی کوئی خوف نہیں ہے کہ عربی نہ جاننے والے ان عبارات کے معنوی فوائد سے بالکل ہی محروم رہ جائیں گے جنہیں نماز میں وہ پڑھتے ہیں۔ بخلاف اس کے خطبۂ جمعہ کے لیے کوئی عبارت مقرر نہیں۔ ہر جمعہ کو ایک نیا خطبہ ہوتا ہے، اور اس کا ترجمہ پہلے سے یاد کر لینا

یا اس کا مفہوم ذہن نشین کر کے آنا لوگوں کے لیے کسی طرح ممکن نہیں۔ پس خطبہ کے لیے عربی زبان کو لازم کر دینے کا نتیجہ قطعاً یہی ہے کہ غیر عربی داں لوگوں کے حق میں وہ محض ایک بے معنی چیز اور ایک بے جان سی رسم بن کر رہ جائے، اور شارع کے وہ تمام مقاصد فوت ہو جائیں جن کے لیے اس نے جمعہ کا خطبہ شروع کیا ہے۔ ایک معمولی عقل کا انسان بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ ترکی بولنے والوں کے سامنے سنسکرت میں تقریر کرنا اور فارسی زبان والوں کو جرمن زبان میں مخاطب کرنا محض ایک مہمل حرکت ہے پھر شارع حکیم کے متعلق کیونکر گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ احکام دین کی تفہیم اور مکارم اخلاق کی تعلیم کے لیے کسی ایسی زبان میں وعظ کرنے کا حکم دیگا جس کو سامعین سمجھتے ہی نہ ہوں۔

خلاصۂ مباحث گذشتہ یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے تین باتیں واضح ہو جاتی ہیں:۔

ایک یہ کہ خطبہ نماز کا جز نہیں ہے، لہذا نماز کے لیے عربیت کے واجب ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خطبہ کے لیے بھی عربیت واجب ہو۔

دوسرے یہ کہ خطبہ کو مشروع کرنے سے شارع کے پیش نظر جس قدر مقاصد ہیں وہ سب کے سب ایسی حالت میں فوت ہو جاتے ہیں جب کہ خطبہ کسی ایسی زبان میں پڑھا جائے جس کو سامعین نہ سمجھتے ہوں بخلاف اس کے نماز جن مقاصد کیلیے شارع نے فرض کی ہے ان میں سے کوئی اہم مقصد مصلیوں کے عدم فہم سے فوت نہیں ہوتا۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیے کہ عدم فہم سے نماز میں تو محض ایک جزئی سا نقصان آتا ہے مگر خطبہ میں اس سے کلی نقصان واقع ہو جاتا ہے

تیسرے یہ کہ نماز میں عدم فہم سے جو ایک جزئی سا نقصان واقع ہوتا ہے وہ بھی بآسانی رفع کیا جا سکتا ہے لیکن خطبہ میں اس سے جو کلی نقصان واقع ہوتا ہے اسے رفع کرنے کی کوئی سبیل نہیں۔

مانعین خطبۂ عربیہ کے دلائل اب ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا خطبۂ غیر عربیہ کے جواز میں کوئی امر شرعی تو مانع نہیں ہے؟ اس سلسلہ میں جب ہم قرآن اور سنت کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم کو کہیں صراحۃً کیا معنی کنایۃً بھی کوئی حکم ایسا نہیں ملتا کہ خطبہ کے لیے عربی زبان ضروری ہے۔ جو لوگ عربیت کے لزوم پر

زور دیتے ہیں انہوں نے بھی کوئی آیت یا حدیث پیش نہیں کی ہے، بلکہ ان کا استدلال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اور سلف صالح نے ہمیشہ عربی زبان ہی میں خطبہ پڑھا ہے اور کبھی خطبہ کے لیے عربی کے سوا دوسری زبان استعمال نہیں کی۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں کبھی کبھی غیر عرب بھی موجود ہوتے تھے مگر کسی روایت میں نہیں آیا کہ آپ نے ان کی تفہیم کے لیے غیر عربی میں خطبہ دیا ہو یا عجمی زبانیں جاننے والے صحابہ میں سے کسی کو ان کی تفہیم پر مامور کیا ہو۔ حضور کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم سب سے بڑھ کر تبلیغ دین اور تذکیر و ارشاد کا جذبہ رکھتے تھے، اور ان کے عہد میں بکثرت عجمی ممالک بھی فتح ہو چکے تھے جن کے باشندے عربی نہ سمجھتے تھے۔ مگر ان بزرگوں نے بھی عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں خطبہ جاری نہیں کیا۔ اسی بنا پر متقدمین اور متاخرین میں سے ایک گروہ کثیر نے یہ رائے قائم کی ہے کہ صحت خطبہ اور ادائے سنت کے لیے خطبہ کا عربی میں ہونا شرط ہے۔ صرف ایک امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں جو غیر عربی خطبہ کو مطلقاً جائز رکھتے ہیں، ان کے سوا سلف میں اور کوئی نہیں جو اس کے جواز کا قائل ہو۔[۱]

استدلال مذکور پر تنقیدی نظر ہمارے نزدیک اس استدلال میں متعدد اصولی غلطیاں ہیں جو لوگ یہ استدلال پیش کرتے ہیں ان کی اولین غلطی یہ ہے کہ وہ شرعی عمل اور عادی و طبیعی عمل میں فرق نہیں کرتے جس کی طرف ہم نے اپنے چوتھے مقدمہ میں اشارہ کیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان عربی تھی، آپ کے مخاطب بھی عرب تھے یا ایسے عجمی تھے جو عربی جانتے تھے۔ اگر آپ ان کے سامنے عربی میں خطبہ نہ دیتے تو اور کس زبان میں دیتے؟ نبی عربی کا اہل عرب کے سامنے عربی میں تقریر کرنا ایک طبعی فعل ہے۔ اس کو حجت شرعی بنانا کسی طرح درست نہیں۔

[۱] امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے متعلق بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ خطبہ کے مسئلہ میں امام اعظم کے متفق ہیں، اور بعض روایات میں یہ ہے کہ وہ صرف اس شخص کے لیے غیر عربی خطبہ کو جائز رکھتے ہیں جو عربی زبان میں خطبہ دینے پر قادر نہ ہو

اگر آپ نے یہ فرمایا ہوتا کہ خطبہ عربی میں دیا کرو اور کوئی دوسری زبان اس غرض کیلئے استعمال کرو تو بلاشبہ یہ ارشاد حجت شرعی ہوتا لیکن جب کہ آپ نے ایسا نہیں فرمایا تو خطبۂ عربیہ کو محض اس بنا پر "سنت" قرار نہیں دیا جا سکتا کہ حضور نے ہمیشہ عربی میں خطبہ دیا ہے۔ اس طرح کے طبعی اور عادی افعال کو شرعی اصطلاح میں سنت قرار دینے کے تو یہ معنی ہوں گے کہ عربی زبان میں گفتگو کرنے کو بھی مسنون ٹھیرایا جائے، کیونکہ حضور نے تمام عمر اسی زبان میں کلام فرمایا ہے، اور غیر عربی میں گفتگو کرنا آپ سے ثابت نہیں۔ اس کے جواب میں اگر کوئی یہ کہے کہ آپ کا عربی میں نماز پڑھنا بھی تو ایک طبعی فعل تھا پھر تم اس کو کس بنا پر شرعی فعل قرار دیتے ہو۔ تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ نماز کے لیے عربیت کا وجوب محض اس بنا پر نہیں ہے کہ حضور نے ہمیشہ عربی میں نماز پڑھی ہے۔ بلکہ اس طبعی عمل کے ساتھ چونکہ متعدد مصالح شرعیہ بھی موجود ہیں جن کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس لیے عربی زبان میں نماز ادا کرنا واجب قرار پایا ہے۔ بخلاف اس کے عربی نہ جاننے والے لوگوں کے سامنے عربی میں خطبہ دینا کسی مصلحت شرعی کا حامل نہیں بلکہ اس سے شریعت کے مقاصد الٹے فوت ہو جاتے ہیں، لہذا اس کو محض اس بنا پر لازم قرار نہیں دیا جا سکتا کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے عربی جاننے والے لوگوں کے سامنے ہمیشہ عربی میں خطبہ دیا ہے۔

استدلال مذکور کی دوسری غلطی یہ ہے کہ اس میں زمانی حالات سے قطع نظر کر لیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جو عجمی الاصل لوگ مجالس نبویہ میں حاضر ہوتے تھے وہ زیادہ تر وہی تھے جو عربی زبان سے واقف تھے۔ اور اگر بالفرض ان میں کوئی اکا دکا شخص ایسا ہو بھی جو عربی سے ناواقف ہو تو ظاہر ہے کہ عربی بولنے والوں کے کثیر التعداد گروہ کو چھوڑ کر اس ایک شخص یا دو چار شخصوں کی خاطر خطبہ کی زبان نہیں بدلی جا سکتی تھی۔ پھر عہد نبوی کے بعد جب صحابہ کرام فتح و ظفر کے جھنڈے لے کر عجمی ممالک میں پہنچے تو ان کی حیثیت ایک حاکم قوم کی تھی۔ ان کے پاس

سیاسی طاقت تھی، وہ غالب تھے مغلوب نہ تھے۔ وہ دوسروں کو سمجھانے کے حاجتمند نہ تھے بلکہ دوسرے خود ان سے سمجھنے کے حاجتمند تھے۔ ان کے اندر اتنا بل بوتا تھا کہ اپنی زبان کو دوسرے ملکوں میں پھیلا دیں، اور درحقیقت انہوں نے بخارا سے لے کر اسپین تک اسے پھیلا کر ہی چھوڑا تھی کہ ان کے فتح کردہ اکثر و بیشتر ممالک کی اصلی زبانیں عربی زبان کے مقابلہ میں قریب قریب فنا ہوگئیں۔ پھر ان کو کیا ضرورت تھی کہ اپنی زبان کو چھوڑ کر مفتوح قوموں کی زبانوں میں خطبے دیتے لیکن آج وہ حالت نہیں ہے۔ مدتیں ہوئیں کہ عربیت کا غلبہ ختم ہو چکا ہے۔ دنیائے اسلام کے بیشتر ممالک میں اب صدیوں سے عربی زبان کا چرچا نہیں اور سیاسی و علمی ضعف کی بنا پر روز بروز کم ہوتا جا رہا ہے۔ عربیت کے پاس اب وہ طاقت ہی نہیں ہے جس سے وہ پھیلے اور زبانوں پر چھا جائے۔ اس کمزوری کی حالت میں اُس طرز عمل پر اصرار کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے جو صحابۂ کرام اور ان کے قریب العہد لوگوں نے غلبہ و طاقت کے عہد میں اختیار کیا تھا۔

تیسری غلطی یہ ہے کہ سلف صالح نے جو رائے حالات کے اثر سے قائم کی تھی اُس کو شرعی معنوں میں اجماع کی حیثیت دی جا رہی ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں صدر اول کے تمام اکابر فاتح قوم کے لوگ تھے۔ اگرچہ اسلام نے ان کو وطنی اور نسلی اور لسانی عصبیتوں سے پاک ضرور کر دیا تھا، مگر یہ کیونکر ممکن تھا کہ ان کے اندر وہ کیفیات پیدا نہ ہوتیں جو طبعاً ہر فاتح قوم میں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کا مفتوح قوموں کی زبانوں سے نفرت کرنا اور اپنے آپ کو ان کی بولیوں سے بچانا، اور ان کے اندر اپنی زبان پھیلانے کی کوشش کرنا ایک طبعی امر تھا اور یہ طاقت کی فطرت ہی اس کی مقتضی تھی کہ یہ بات ان میں پیدا ہو۔ اس پر مزید یہ کہ ان کی زبان قرآن اور سنت کی زبان تھی۔ اسلام کا سارا سرمایہ اسی زبان میں تھا۔ اسلام کی اصلی اسپرٹ کا تحفظ خالص عربیت کے تحفظ ہی پر موقوف تھا۔ اس چیز نے ان کے اندر زبان کی حد تک عربیت کا تعصب اور بھی زیادہ پیدا کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر سلف کسی حال میں بھی عجمی زبان بولنے کو پسند نہ کرتے تھے۔ حتی کہ عجمی الفاظ

کا استعمال بھی ان کو گوارا نہ تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ لا تتعلموا رطانۃ الاعاجم "عجمیوں کی بولی نہ سیکھو۔" سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک مرتبہ نوروز کا ہدیہ پیش کیا گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا ہے۔ عرض کیا گیا، آج نوروز ہے۔ آپ نوروز کا لفظ سن کر چیں بجبیں ہو گئے۔ محمد بن سعید بن ابی وقاص نے ایک جماعت کو فارسی بولتے سنا تو کہنے لگے ما بال المجوسیۃ بعد۔ امام احمد سے پوچھا گیا کہ عجمی زبان میں دعا کرنا کیسا ہے۔ فرمانے لگے لسان سوء۔ "بری زبان ہے"۔ امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ نہ عجمی زبان میں دعا مانگو، نہ قسم کھاؤ۔ امام شافعی عربی زبان کے سوا دوسری زبان میں بات چیت کرنے کو مکروہ قرار دیتے تھے۔ یہی حال اس زمانہ کے اکثر فقہا کا تھا۔ وہ عجمی زبان کے استعمال کو عموماً اور دعا و ذکر میں اس کے استعمال کو خصوصاً برا سمجھتے تھے۔ ان بزرگوں کے اس طرز عمل پر اگر آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دراصل یہ کسی شرعی بنیاد پر نہ تھا بلکہ ایک بڑی حد تک اس طرز عمل کی بنا فطری اسباب پر تھی، اور حالات کی طاقت نے ان کو ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا۔ ورنہ یہ بالکل ظاہر ہے کہ اسلام کو وطنی اور لسانی عصبیت سے کوئی علاقہ نہیں۔ وہ کسی خاص قوم کا مذہب نہیں ہے۔ نہ وہ اس لیے آیا ہے کہ کسی خاص زبان کی حمایت کرے اور ایک ہی زبان بولنے والوں کا دین بن کر رہ جائے۔

بزرگان سلف نے عجمی زبانوں کی کراہت اور ان سے اجتناب اور دینی و دنیوی اغراض کے لیے ان کے استعمال کی ممانعت پر جو زور دیا تھا اس کا ایک سبب اور بھی تھا۔ صدر اول کی تاریخ پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس زمانہ میں عرب کے سوا دوسری قومیں عموماً غیر مسلم تھیں اور اسلام زیادہ تر عربی قوم ہی میں تھا۔ اس صورت حال نے عربیت کو اسلام کا اور عجمیت کو کفر کا ہم معنی بنا دیا تھا۔ عجمی قوموں کے جو افراد اسلام لاتے تھے ان کا رشتہ ملت کفر سے توڑنے اور ملت اسلام میں ان کو جذب کرنے کے لیے ناگزیر تھا کہ ان کو عربیت کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی جاتی، اور ان کی

معاشرت، لباس آداب و اطوار، بول چال ہر چیز کو بدل ڈالا جاتا، کیونکہ باطنی تغیر کی تکمیل خارجی تغیر کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اگر ان کو محض مسلمان بنا کر چھوڑ دیا جاتا اور تمدنی، لسانی، ادبی حیثیت سے وہ بدستور کافر اقوام کا جزو بنے رہتے تو کفر کے سمندر میں اسلام کے یہ چھوٹے چھوٹے جزیرے پیدا ہونے کے ساتھ ہی فنا بھی ہونے لگتے۔ یہ حالت ایک طویل مدت تک رہی۔ اس کے بعد جب دوسرے ممالک کی بڑی بڑی قومیں مسلمان ہو گئیں تو عربیت اور اسلام کا وہ ترادف جو ابتدائی صدیوں میں تھا، باقی نہ رہا۔ اب ترکی، فارسی، اردو اور دوسری مسلمان قوموں کی زبانیں کفار کی زبانیں نہیں بلکہ مسلمانوں کی زبانیں ہیں۔ اب عربی لباس اور عربی طرز معاشرت بھی لازمی طور پر شعار اسلام نہیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا جو عام لباس ہے وہ بھی اسی طرح شعار اسلام ہے جس طرح عربی لباس ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دوسرے اسلامی ممالک میں بھی جس لباس اور جس طرز معاشرت سے مسلمان غیر مسلموں کے مقابلہ میں ممیز ہوتے ہیں وہ یقیناً اسلامی شعار ہی ہے پس اب حالات کے بدل جانے کے باوجود فقہائے اسلام کا عربیت پر اُس طرح زور دینا درست نہیں جس طرح صدر اول کے فقہا، بالکل مختلف حالات میں زور دیتے تھے۔ ہمارے نزدیک متاخرین کی ایک یہ اصولی غلطی ہے کہ وہ متقدمین کے زمانے اور ان کے حالات کو نہیں دیکھتے اور آنکھیں بند کر کے ان کے اقوال سے استناد کرنے لگتے ہیں۔

ایک اور دلیل خطبۂ عربیہ کے لزوم پر ایک دلیل یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ خدا کا کلام اور اسلام کے تمام احکام زبان عربی میں ہیں اور ہر مسلمان پر عربی سے واقف ہونا لازم ہے۔ اگر لوگ عربی کی تحصیل میں غفلت کرتے ہیں اور عربی نہیں سمجھتے تو یہ ان کا قصور ہے۔ ان کی خاطر خطبہ کی زبان بدلنا کیا ضرور!

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے لیے عربی زبان سے واقف ہونا نہایت ضروری ہے اِس کے بغیر ایمان محض ہے دین کی سمجھ حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور ان میں گمراہیوں کے پھیلنے کا ایک بڑا سبب یہی ہے کہ علم دین کے اصل ماخذ تک ان کی رسائی نہیں۔ ہم نے بارہا اس ضرورت کا اظہار کیا ہے اور ہماری قطعی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم میں عربی

زبان کو لازمی طور پر شامل ہونا چاہیے لیکن "ہے" اور "چاہیے" میں بہت فرق ہے۔ جو کچھ ہونا چاہیے اس کے لیے ضرور کوشش کیجیے۔ مگر جو کچھ فی الواقع ہے اس سے آنکھیں بند نہ کریجیے۔ شریعت نے آپ کو یہ تعلیم نہیں دی ہے کہ بس "چاہیے" کے پیچھے پڑے رہیے اور واقعات کی پروا نہ کیجیے۔ آپ کے حالات تو یہ ہیں کہ آپ مسلمانوں کے لیے عربی زبان تو در کنار دین کی ابتدائی تعلیم بھی لازمی نہیں کرا سکتے اور اس پر آپ کے تحکم کی یہ کیفیت ہے کہ مسلمان اگر عربی نہیں سمجھتے تو آپ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس کی پروا نہیں، ہم تو عربی ہی میں خطبہ سنائیں گے۔ کیا عربی خطبہ پر آپ کے اصرار کا یہ نتیجہ نکلنے کی کوئی امید ہے کہ مسلمان محض اس کو سمجھنے کے لیے عربی زبان سیکھنے پر مجبور ہو جائیں؟

تیسری دلیل | تیسری دلیل جو پیش کی جاتی ہے وہ نسبتہً زیادہ وزنی ہے۔ یعنی یہ کہ عربی زبان کے سوا دوسری زبانوں میں خطبہ کے جاری ہونے سے اسلام میں لسانی قومیتوں کی بنا پڑنے کا خوف ہے۔ جمعہ تو تمام مسلمانوں کو بلا لحاظ نسل و زبان و وطن ایک جگہ جمع کرنا چاہتا ہے مگر غیر عربی خطبہ ان کو چھانٹ دیگا اور مختلف زبانیں بولنے والوں کے جمعے الگ الگ کر دیگا۔ یہ خطرہ یقیناً اہمیت رکھتا ہے مگر اس کا علاج کچھ زیادہ دشوار نہیں۔ ہونا یہ چاہیے کہ خطبہ کا ایک حصہ تو لازماً عربی زبان میں ہو، اور اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل و اصحاب پر صلاۃ و سلام، اور آیات قرآنی کی تلاوت کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔ اس کے بعد دوسرا حصہ جس میں احکام اور مواعظ اور ضروریات زمانہ کے لحاظ سے اسلامی تعلیمات ہوں، ایسی زبان میں ہونا چاہیے جس کو حاضرین یا ان کی اکثریت سمجھتی ہو، اور اس غرض کے لیے بھی زیادہ تر ان زبانوں کو ترجیح دی جانی چاہیے جو بین الاقوامی حیثیت رکھتی ہوں، مثلاً ہندوستان میں صوبہ وار زبانوں اور مقامی بولیوں کے بجائے زیادہ تر اردو زبان کا خطبہ ہونا چاہیے کیونکہ اسے قریب قریب ہر صوبہ کے مسلمان سمجھتے ہیں۔ البتہ دور دراز کے گوشوں میں جہاں اردو سمجھنے والے کم ہیں مقامی زبانوں کو خطبہ کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن جہاں مسلمانوں کا بین الاقوامی اجتماع ہو وہاں عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں خطبہ نہ ہونا چاہیے۔

عملی مشکلات | یہاں تک جو کچھ ہم نے عرض کیا ہے وہ صرف شرعی مسئلہ سے متعلق تھا، یعنی قانون کی حد تک ہمارے

نزدیک غیر عربی خطبہ میں کوئی حکم شرعی مانع نہیں ہے اور جو لوگ اس کو ناجائز یا مکروہ تحریمی یا خلاف سنت قرار دیتے ہیں، وہ ہماری رائے میں غلطی کرتے ہیں لیکن اس مسئلہ کا ایک اور پہلو بھی ہے اور وہ احکام سے نہیں بلکہ ان کے نفاذ کی عملی صورت سے تعلق رکھتا ہے۔

عام فہم زبان میں خطبہ ہونے کی ضرورت جس بنا پر ظاہر کی جاتی ہے وہ تو یہی ہے کہ لوگ جب اس کو سمجھیں گے تو فائدہ اٹھائیں گے گویا اصل مقصود سمجھنا نہیں بلکہ فائدہ اٹھانا ہے لیکن اگر صورت یہ ہو کہ بجائے فائدہ کے الٹا نقصان ہونے لگے، تو ایسی صورت میں غالباً ہر صاحب عقل یہی کہے گا کہ ایسے سمجھنے سے نہ سمجھنا بہتر ہے۔ اب ذرا اپنی قوم کی حالت کا جائزہ لیجیے آپ کے ہاں امامت کا معیار حد سے زیادہ پست ہو چکا ہے جو منصب مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں سب سے زیادہ اہم تھا وہ اب سب سے زیادہ غیر اہم ہے۔ جس منصب کیلیے بہتر سے بہتر آدمی منتخب کرنے کا حکم تھا۔ اب اس کے لیے بدتر سے بدتر آدمی چھانٹا جاتا ہے مسلمانوں کے ذہن میں اب امام کا تصور یہ ہے کہ جو شخص دنیا کے کسی اور کام کا نہ ہو اس کو مسجد کا امام ہونا چاہیے دس پانچ روپیہ تنخواہ اور دونوں وقت کی روٹی مقرر کر دی اور کسی نیم خواندہ ملا کو رکھ لیا۔ یہ گویا مسجد کی امامت کا انتظام ہو گیا! امامت کو اس درجہ پست کر دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری مسجدیں وہی مسجدیں جنہوں نے کبھی ہماری قوم کے قصر فلک بوس کی تعمیر کی تھی، آج ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہیں جو بے علم، تنگ نظر، پست حوصلہ اور دنی الاخلاق ہیں کیا آپ ان لوگوں سے امید رکھتے ہیں کہ یہ اردو میں خطبے دیکر آپکی دینی و دنیوی رہنمائی کر سکیں گے۔

اس گروہ کو چھوڑ کر اگر آپ نے جمعہ کی امامت کے لیے کسی دوسرے گروہ کا انتخاب کرنا چاہا تو لامحالہ اس کے لیے آپ کو علماء ہی کے طبقہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور باستثناء چند اس طبقہ کے سواد اعظم کا جو حال ہے اسے بیان کرنا گویا اپنی ٹانگ کھولنا اور آپ ہی لاجوں مرنا ہے۔ ان حضرات کو اگر آپ نے عام فہم زبان میں من مانے خطبے دینے کا موقع دیا تو یقین جانیے کہ آئے دن مسجدوں میں سر پھٹول ہوگی، اس لیے کہ ان میں کا ہر شخص اپنا ایک الگ مشرب رکھتا ہے اور اپنے مشرب میں وہ اتنا سخت ہے کہ دوسرے مشرب والوں کے ساتھ کسی قسم کی رعایت کرنا اس کے نزدیک گناہ سے کم نہیں۔ پھر اللہ نے اس کی زبان میں ایک ڈنک رکھ دیا ہے جس سے دلوں کو زخمی کیے بغیر وہ کوئی

بات نہیں کر سکتا۔ وہ جس ماحول سے تعلیم و تربیت پاکر آتا ہے اور جس ماحول میں زندگی بسر کرتا ہے وہاں دین کے مہمات اور قوم کے مصالح کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ تمام دلچسپیاں سمٹ کر چند چھوٹی چھوٹی نزاعی باتوں میں جمع ہوگئی ہیں اس لیے لامحالہ وہ جب زبان کھولے گا انہی مسائل پر کھولے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ کے گھر میں گالم گلوچ اور جوتی پیزار ہوگی، اور آخر کار ہر مشرب کے مسلمان اپنے جمعے الگ الگ قائم کرنے لگیں گے۔ یہ تو مذہبی ذہنیت رکھنے والوں کا حال ہوا۔ رہے نئے تعلیم یافتہ حضرات جو ان مسائل سے دلچسپی نہیں رکھتے، تو ان پر ایک دوسری مصیبت نازل ہوگی۔ وہ ہر جمعہ کو رسول اللہ کے منبر پر سے وہ وہ جھوٹی روایتیں اور لاطائل کہانیاں اور احکام اسلامی کی غلط تعبیریں سنیں گے کہ جن کو سن کر غیر مسلموں کا مسلمان ہونا تو درکنار، ذی ہوش مسلمانوں کا مسلمان رہنا بھی مشکل ہے۔

خطبۂ غیر عربیہ کے اجراء سے پہلے آپ کو ان خرابیوں کا کوئی علاج سوچنا چاہیے۔ میری رائے میں ان کا علاج صرف یہی ہو سکتا ہے کہ اہل علم کی کوئی معتدل جماعت خطبات جمعہ کی تیاری کا کام اپنے ہاتھ میں لے اور ایسے خطبے لکھے جو نزاعی مسائل سے پاک ہوں اور مسلمانوں میں صحیح دینی روح پھونکنے والے ہوں پھر ہندوستان میں ہر جگہ صحیح الخیال اور با اثر لوگ کوشش کریں کہ اسی مرکزی جماعت کے تیار کیے ہوئے خطبے نماز جمعہ میں پڑھے جائیں۔ اگر ایسی کوئی تنظیم ہو جائے (جس کی امید کم ہی نظر آتی ہے)، تو خطبۂ غیر عربیہ کے اجرا میں میری تحقیق کی حد تک کوئی امر شرعی مانع نہیں ہے لیکن اگر یہ تنظیم نہ ہو سکے تو مصلحت کا اقتضا یہی ہے کہ عربی کے انہی پرانے خطبوں کو چلنے دیا جائے جن سے کوئی مفید نہیں تو مضر نتیجہ بھی برآمد نہیں ہوتا۔ البتہ اگر کہیں خوش قسمتی سے کوئی موزوں خطیب میسر آجائے اور وہ اس خدمت کو باحسن وجوہ انجام دے سکے تو اس سے فائدہ اٹھانے میں دریغ بھی نہ کرنا چاہیے۔